حج اور عیدالاضحیٰ

اور ان کی اصل رُوح

قرآن حکیم کے آئینے میں

اسلام کے پانچ ارکان میں سے اوّلین اور اہم ترین تو بلاشبہ کلمۂ شہادت ہے جو ایمان کے قانونی پہلو یعنی "اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ" کا مظہر ہے' بقیہ چار عبادات مختلف صورتوں پر مشتمل ہیں' یعنی "اِقَامَۃُ الصَّلٰوۃِ" یا فرض نمازوں کی پابندی' "اِیتاءُ الزَّکٰوۃِ" یا صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی' "صَوْمُ رَمَضَانَ" یا ماہِ رمضان المبارک کے روزے اور "حَجُّ الْبَیْتِ" یا بیت اللہ شریف کا حج!

ان کے مابین ایک دلچسپ تقسیم تو اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے دو ہر مسلمان پر لازم ہیں' خواہ وہ امیر ہو یا غریب' یعنی صلوٰۃ و صَوم' اور دو صرف کھاتے پیتے مسلمانوں پر فرض ہیں' یعنی زکوٰۃ صرف صاحبِ نصاب پر اور حج صرف صاحبِ استطاعت پر —— لیکن ایک دوسری اور نمایاں تر تقسیم اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے دو یعنی صلوٰۃ و زکوٰۃ بقیہ دو کے مقابلے میں قدرے اوّلیت و اَقدمیت کے حامل بھی نظر آتے ہیں اور عظمت و اہمیت کے بھی۔ اس لئے بھی کہ قرآن مجید میں ان کا ذکر حد درجہ تکرار و اصرار کے ساتھ آیا ہے جبکہ حج کا ذکر کُل تین بار آیا ہے اور صوم کا صرف ایک بار' اور اس لئے بھی کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا تذکرہ مکّی دور کے آغاز ہی سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ صوم و حج کا ذکر صرف مدنی سورتوں میں ملتا ہے۔ مزید برآں بعض ان روایات میں بھی جن میں نبی اکرم ﷺ کی جنگ کے خاتمے کی کم از کم شرائط کا بیان ہے' شہادتین کے ساتھ صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ

کا ذکر ملتا ہے' صوم وحج کا نہیں۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے جو طویل روایت احمد' بزار' نسائی' ابن ماجہ وغیرہم نے نقل کی ہے اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ ملتے ہیں کہ :

((اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ وَیَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ' فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدِ اعْتَصَمُوْا وَعَصَمُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا ' وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) (1)

"مجھے حکم ہوا ہے کہ جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے بھی ہیں اور رسول بھی۔ جب وہ یہ شرطیں پوری کر دیں تو وہ محفوظ ہو گئے اور انہوں نے اپنی جانیں اور مال بچا لئے' اِلاّ آنکہ کوئی قانونی حق واقع ہو جائے۔ رہا ان (کے خلوص یا عدمِ خلوص) کا حساب تو وہ اللہ کے ذمے ہے"۔

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ شان و شوکت اور عظمت و اہمیت کی اسی ظاہری کمی کی تلافی کے لئے اسلام میں دونوں سالانہ تہواروں کو ان دو ارکانِ اسلام کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے' یعنی عید الفطر رمضان المبارک کے متصلاً بعد اور عید الاضحیٰ حج بیت اللہ کے ساتھ۔

عید الاضحیٰ بلاشبہ حج ہی کی توسیع کی حیثیت رکھتی ہے' اس لئے کہ حج اس اعتبار سے ایک طرح کی محدودیت کا حامل ہے کہ اس کے تمام مراسم و مناسک ایک متعین علاقے یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے نواح ہی میں ادا کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اس

---

(1) یاد ہو گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی الفاظ سے استدلال کیا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کے معاملے میں۔

کے ایک رکن یعنی اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی کو وسعت دے دی گئی ہے' تاکہ اس میں روئے زمین پر بسنے والا ہر مسلمان شریک ہو جائے۔ اور یہی عید الاضحیٰ کی اصل حکمت ہے۔

سب جانتے ہیں کہ حج اور عید الاضحیٰ دونوں حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی شخصیت ہی کے گرد گھومتے ہیں جن کی تعظیم و تکریم روئے زمین کے بسنے والوں کی دو تہائی تعداد کرتی ہے اور ان دونوں کے مراسم و مناسک ان کی حیاتِ طیّبہ کے بعض واقعات کی یادگار ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طویل سفرِ حیات کا خلاصہ اور لُبِّ لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے : "امتحان و آزمائش" جس کے لئے قرآن حکیم کی اپنی جامع اصطلاح "ابتلاء" ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں ان کی پوری داستانِ حیات کو ان چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے :

﴿ وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ (البقرۃ : ۱۲۴)

"اور جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے بہت سی باتوں میں تو اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا"۔

واضح رہے کہ قرآن حکیم میں انسان کی حیاتِ دنیوی کی اصل غرض و غایت ہی ابتلاء و آزمائش بیان کی گئی ہے۔ بمصداقِ الفاظِ قرآنی :

① ﴿ اَلَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوةَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملک : ۲)

"وہ جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سب سے اچھا عمل کے اعتبار سے"۔

② ﴿ اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِیۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ○ ﴾ (الدھر : ۲)

"ہم نے پیدا کیا انسان کو ملے جلے نطفے سے آزمانے کو' لہٰذا بنایا ہم نے اسے سننے والا' دیکھنے والا"۔

بقول علامہ اقبال ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اور انسان کی فلاح و کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی اور پروردگارِ حقیقی کی معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت سے سرشار ہو جائے' جو گویا امتحاں ہے اس کی عقل و خرد کا اور آزمائش ہے اس کے قلبِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کی ---- اور پھر پورے عزم و استقلال اور صبر و ثبات کے ساتھ قائم و مستقیم رہے اس کی اطاعتِ کُلی اور فرماں برداریٔ کامل[1] پر جو گویا امتحان ہے اس کے عزم اور حوصلے کا اور آزمائش ہے اس کی سیرت کی پختگی اور کردار کی مضبوطی کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی سب سے پہلے اسی عقلِ سلیم اور فطرت سلیمہ کے امتحان سے سابقہ پیش آیا۔ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جس میں ہر طرف کفر اور شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے' اور کہیں بتوں اور مورتیوں کی پوجا ہو رہی تھی تو کہیں ستاروں اور سیاروں کو پوجا جا رہا تھا' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مطلق العنان بادشاہ بھی خدائی حقوق (Divine Rights) اور کلی اختیارات کے دعووں کے ساتھ کوس لمن الْمُلْكُ بجا رہا تھا۔ گویا شرک اعتقادی اور شرک عملی دونوں کے دَل بادل ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْض کی شان کے ساتھ چھائے ہوئے تھے اور توحید کی کوئی کرن کہیں نظر نہ آتی تھی۔ اس ماحول میں آنکھ کھولنے اور پرورش پانے والے نوجوان نے جب یہ نعرہ لگایا کہ :

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۳۱ میں حضرت ابراہیمؑ کے کُل کارنامۂ حیات کا خلاصہ بیان کیا گیا لفظ "اسلام" کے ذریعے جس کے معنی ہی حوالگی کامل اور سپردگی کُلی کے ہیں۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

"جب کہا اس کے رب نے اس سے "حکم مان" فوراً کہا اس نے "میں نے مانا حکم تمام جہانوں کے پروردگارِ حقیقی کا"۔

﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ ﴾ (الانعام : ۷۹)

"میں نے تو اپنا رُخ پھیر دیا اُس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو' ہر طرف سے یکسو ہو کر' اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والا نہیں"۔

تو کیا آسمان اور زمین وجد میں نہ آ گئے ہوں گے اور کون و مکان میں ہلچل نہ مچ گئی ہو گی! بقول علامہ اقبال ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!

اور کیا ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾ کی اس شہادتِ عظمیٰ پر ملاءِ اَعلٰی کی بزمِ "لامکاں" میں "میرِ محفل"[1] نے ایک بار پھر فاتحانہ انداز میں نہ کہا ہو گا کہ ﴿ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

اسی کو تعبیر فرمایا گیا سورۃ الصّٰفّٰت میں ان الفاظ میں کہ :

﴿ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۸۴)

"جب آیا وہ[2] (ابراہیمؑ) اپنے رب کے پاس ایک قلبِ سلیم کے ساتھ"۔

عقل و فطرت کی اس آزمائش اور معرفتِ رب کے اس امتحان میں کامیابی کے فوراً بعد شروع ہو گیا "استقامت"[3] کی جانچ پرکھ کا ایک طویل اور جاں گسل سلسلہ' جس میں ہر لحظہ امتحان تھا' ہر آن ابتلاء۔ ایک جانب ایک نوجوان تھا اور دوسری جانب پوری سوسائٹی اور پورا نظام۔ گویا "کشاکشِ خس و دریا" کا دیدنی نظارہ! عزم و ہمت کا وہ کون سا امتحان تھا جو اسے پیش نہ آیا! صبر و ثبات کی وہ کون سی

---

(۱) خدا خود میرِ محفل بود اندر لامکاں خسرو — محمدؐ شمعِ محفل بود' شب جائیکہ من بودم!

(۲) کیا یہ صوفیاء کی اصطلاح "سیر الی اللہ" کا قرآنی ماخذ نہیں ہے؟

(۳) ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ... ﴾ (حٰمۤ السجدۃ : ۳۰)

آزمائش تھی جس سے وہ دوچار نہ ہوا! حوصلۂ تحمل و برداشت اور جذبۂ ایثار و قربانی کی جانچ پرکھ کا وہ کون سا طریقہ تھا جو اس پر آزمایا نہ گیا! گھر سے وہ نکالا گیا، معبد میں اس پر دست درازی ہوئی، سرِعام اس پر ہجوم کیا گیا، دربار میں اس کی پیشی ہوئی اور آگ میں وہ ڈال گیا۔ بقول شاعر ؎

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری   تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار!
کڑکے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر   گرجے ہیں بہت اہلِ حکم بر سرِ دربار

لیکن نہ کبھی اس کے جوش اور ولولے میں کوئی کمی پیدا ہوئی نہ پائے ثبات میں کوئی لغزش! باپ سے "وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا" کی غیظ آمیز جھڑکی کھا کر بھی وہ پورے ادب و احترام اور پورے حلم و وقار کے ساتھ یہ کہتا ہوا رخصت ہوا :

﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّىْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّىْ شَقِيًّا۝ ﴾ (مریم : ۴۷،۴۸)

"تم پر سلامتی ہو! میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے معافی کی درخواست کروں گا، حقیقتاً وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں اعلانِ براءت کرتا ہوں تم سب سے بھی اور ان سے بھی جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، اور میں تو پکاروں گا صرف اپنے پروردگار ہی کو ـــــ مجھے یقین ہے کہ میں اس کو پکار کر بے نصیب نہ رہوں گا!"

دربار میں پیشی ہوئی تو ؎

نہ لا وسواس دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی!

کے مصداق خدائے واحد و قہار کے پرستار نے دنیوی شان و شوکت، جاہ و جلال اور دبدبے اور طنطنے کو ذرہ بھر بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے شہنشاہِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلان کیا :

﴿ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ﴾ (البقرۃ : ۲۵۸)

"میرا رب وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے"۔
اور جب ربوبیت والوہیت کے مدّعی مغرور نے مناظرانہ رنگ میں کہا :

﴿ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ﴾

"مجھے بھی زندہ رکھنے یا مار دینے کا اختیار حاصل ہے"۔
تو پوری جرأتِ رندانہ اور شانِ بے باکانہ کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا :

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ (البقرۃ : ۲۵۸)

"تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' (تجھ میں کچھ الوہیت ہے) تو تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا"۔

نتیجتاً اس کافرِ مردود مدّعی نمرود کے پلّے سوائے مرعوبی و مبہوتی کے اور کچھ نہ رہا۔

اور پھر جب پوری قوم' پوری سوسائٹی اور پورے نظامِ باطل نے اپنی شکست پر جھنجلا کر اسے آگ کے ایک بڑے الاؤ میں ڈالنے اور جلا کر راکھ کر دینے کا فیصلہ کیا تب بھی اس کے عزم اور ارادے میں کوئی تزلزل نہ آیا' اور عشق کی اس بلند پروازی پر وہ عقل بھی انگشت بدنداں رہ گئی جس نے ابتداءً اسے خود ہی اس راہ پر ڈالا تھا ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

اور جب خدائے علیم و قدیر نے اُسے آگ سے معجزانہ طور پر زندہ و سلامت نکال لیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے کہ :

﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۹۹)

"میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں' یقیناً وہ مجھے راہ یاب کرے گا"۔

گھر بار اور ملک و وطن سب کو خیرباد کہا اور آباء و اجداد کی سرزمین کو باحسرت و یاس دیکھتا ہوا وہ اَن دیکھی منزل کی جانب روانہ ہو گیا' تاکہ صرف خدائے واحد کی

پرستش کر سکے اور محض اسی کے نام کا کلمہ پڑھ سکے! حالانکہ اب زندگی کے اس دور کا آغاز ہو چکا تھا جس میں جوانی کا زور ٹوٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے اور کہولت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں! بقول حالی ؎

ضعفِ پیری بڑھ گیا' جوشِ جوانی گھٹ گیا
اب عصا بنوایئے نخلِ تمنّا کاٹ کر!!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد کی پوری زندگی مسلسل مسافرت و مہاجرت کی داستان ہے۔ آج شام میں ہیں تو کل مصر میں' پرسوں شرقِ اردن میں ہیں تو اگلے روز حجاز میں' کوئی فکر ہے تو صرف اس کی اور دھن ہے تو محض یہ کہ توحید کا کلمہ سربلند ہو اور دعوتِ توحید کے جابجا مراکز قائم ہو جائیں۔ اپنی ان کوششوں میں وہ اس بوڑھے باغبان سے نہایت گہری مشابہت رکھتے ہیں جو جابجا اپنے لئے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے باغ لگاتا پھر رہا ہو۔

جب بڑھاپے کے آثار کچھ زیادہ ہی طاری ہوتے محسوس ہوئے اور اِدھر یہ نظر آیا کہ اولاد سے تاحال محرومی ہے' تو فکر دامن گیر ہوئی کہ میرے بعد اس مشن کو کون سنبھالے گا۔ وطن سے ایک بھتیجے نے ان کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی جسے شرقِ اردن میں دعوتِ توحید کی علم برداری سونپ دی تھی۔ اللہ سے دعا کی ﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۰۰) "پروردگار! نیک وارث عطا فرما!"۔ اور اللہ کی شان کہ خالص معجزانہ طور پر ستاسی برس کی عمر میں اللہ نے ایک چاند سا بیٹا عطا فرمادیا' اور وہ بھی ایسا جسے خود اللہ نے "غُلٰمٌ حَلِيْمٌ" قرار دیا۔

جیسے جیسے بیٹا بڑا ہوتا گیا گویا بوڑھے باپ کا نخلِ تمنّا دوبارہ ہرا ہوتا گیا۔ یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ کیسی جذباتی وابستگی بوڑھے باپ کو اس بیٹے سے ہوگی اور کیسی امیدیں اس نے اپنے دل میں اس کے ساتھ وابستہ کرلی ہوں گی۔ بیٹا برابر کا ہونے کو آیا تو گویا باپ کا دست و بازو بن گیا اور دونوں نے مل کر توحید کے عظیم ترین مرکز یعنی کعبۃ اللہ کی دیواریں اٹھائیں' جسے قرآن نے "اَلْبَيْتُ الْعَتِيْقُ" بھی قرار دیا اور

"اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ" کا مصداق بھی۔

یہ مقدس معمارانِ حرم جن جذبات کے ساتھ تعمیر کر رہے تھے ان کی عکاسی قرآن حکیم کی ان آیات میں بتمام و کمال کی گئی ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ص (البقرۃ: ۱۲۷، ۱۲۸)

"اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو کہتے جاتے تھے) پروردگار ہمارے! قبول فرما ہم سے (ہماری یہ خدمت)، یقیناً تو سب کچھ سننے والا بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی۔ اور اے رب ہمارے! بنائے رکھ ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار، اور اٹھا ہماری اولاد میں سے ایک فرماں بردار امت"۔

اِدھر بوڑھا باپ اپنے جوان ہوتے ہوئے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہا تھا اُدھر قدرت مسکرا رہی تھی۔ اس کے ترکش امتحان میں ابھی ایک تیر باقی تھا، دل کو چھید جانے والا اور جگر سے پار ہو جانے والا تیر! گویا ابھی آخری آزمائش باقی تھی، محبت اور جذبات کی آزمائش، اور ایک امتحان باقی تھا، امیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا امتحان۔

حکم ہوا اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ زمین پر سکتہ طاری ہو گیا، آسمان لرز اٹھا، لیکن نہ بوڑھے باپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش پیدا ہوئی نہ نوجوان بیٹے کے صبر و تحمل میں کوئی لرزش! دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بقول سرمدؔ

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا سر برضائے دوست می باید داد — یا قطع نظر ز یار می باید کرد

یہ دوسری بات ہے کہ عین آخری لمحے پر رحمتِ خداوندی حکمتِ امتحان پر غالب آ گئی اور بوڑھے باپ کی امتحان میں کامیابی کا اعلان کر دیا گیا بغیر اس کے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کا ذبح شدہ لاشہ فی الواقع اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

سورۃ الصّٰفّٰت میں کتنے قلیل الفاظ میں صورتِ حال کی مکمل تصویر کھینچ دی گئی ہے :

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ ﴾

(الصّٰفّٰت : ۱۰۲تا۱۰۶)

"تو جب وہ (بیٹا) اس (باپ) کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے کے قابل ہوا تو اس نے کہا: میرے بچے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں‘ تو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابا جان! کر گزریئے جو حکم آپ کو مل رہا ہے‘ آپ ان شاء اللہ مجھے صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس نے اسے پیشانی کے بل پچھاڑ دیا تو ہم نے پکارا: اے ابراہیم! (بس کر) تو نے خواب پورا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح جزاء دیا کرتے ہیں نیکو کاروں کو۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی"۔

گویا جس کا امتحان لیا جا رہا تھا اس نے ہمت نہ ہاری‘ ممتحن ہی کو بس کرنا پڑی۔ جس نے نہ صرف یہ کہ اُس وقت بیٹے کی جگہ مینڈھے کی قربانی بطورِ فدیہ قبول کر لی بلکہ اس کی یادگار کے طور پر ہمیشہ ہمیش کے لئے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ بمصداق الفاظِ قرآنی :

﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ ﴾

(الصّٰفّٰت : ۱۰۷‘۱۰۸)

"اور اس کے بدلے میں دی ہم نے ایک بڑی قربانی۔ اور پکار رکھا ہم نے اس (چلن) پر پچھلوں میں"۔

اور اس امتحان اور آزمائش کی ایک طویل داستان کمال کو پہنچی اور عقل و فطرت کی

سلامتی اور سیرت و کردار کی پختگی کی کٹھن جانچ پرکھ اور جذبات و احساسات کے ایثار اور محبّت کی قربانی کے مشکل امتحانات سے گزر کر اللہ کا ایک بندہ ایک طرف خُلّتِ الٰہی کی خلعت سے سرفراز ہوا اور دوسری طرف امامت النّاس کے منصب پر فائز ہوا۔

﴿ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۰۹-۱۱۱)

"سلام ہو ابراہیم پر! اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکو کاروں کو' یقیناً وہ ہمارے صاحب یقین بندوں میں سے تھا"۔

اور بقول علامہ اقبال ؎

چوں می گویم مسلمانم ' بلرزم — کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!

گویا یہ ہے ایک سچے مسلمان کی زندگی کی کامل تصویر اور "ایمانِ حقیقی" کی صحیح تعبیر بقول مولانا محمد علی جوہر ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

سورۃ الحج میں حج کے دو ہی بنیادی ارکان کا ذکر ہے[1] ایک اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی اور دوسرے طواف بیت اللہ' اور ان میں سے بھی زیادہ زور اور تکرار و اصرار قربانی پر ہی ہے۔ بفحوائے آیات مندرجہ ذیل :

(۱) ﴿ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ۫ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ○ ﴾ (الحج : ۲۷-۲۹)

---

(۱) حج کے بقیہ مناسک کا تفصیلی بیان سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ تا ۲۰۳ میں ہے۔

"اور صدا لگا لوگوں میں حج کے لئے کہ آئیں تیرے پاس پا پیادہ اور دور دراز سے گہری وادیوں میں سے ہو کر آنے والے دبلے اونٹوں پر' تاکہ حاضر ہوں اپنے منافع کے مقامات پر اور لیں اللہ کا نام معین دنوں میں' ان جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے جو ہم نے ان کو دیئے ہیں' پھر کھاؤ ان میں سے خود بھی اور کھلاؤ بیکسوں اور محتاجوں کو بھی' پھر وہ دور کریں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور چکر لگائیں ہمارے قدیم گھر کا"۔

(۲) ﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ ﴾ (الحج : ۳۴)

"اور ہر اُمت کے لئے مقرر کر دیا ہے ہم نے قربانی کا سلسلہ' تاکہ لیں نام اللہ کا ان چوپایوں کو ذبح کرتے ہوئے جو عطا کئے ہیں ہم نے ان کو"۔

(۳) ﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ (الحج : ۳۶)

"اور کعبے کی نذر کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں سے ٹھہرایا ہے۔ سو لو نام ان پر اللہ کا ان کو قطار میں کھڑا کر کے' پھر جب گر جائیں وہ کروٹ کے بل تو کھاؤ ان میں سے خود بھی اور کھلاؤ صابروں اور بے قراروں کو بھی! اسی طرح ہم نے دے دیا ہے ان کو تمہارے بس میں تاکہ تم شکر کرو اللہ کا"۔

ان میں سے جہاں تک طوافِ بیت اللہ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تو صرف مکّہ مکرمہ ہی میں ادا کیا جا سکتا ہے' البتہ قربانی کو عید الاضحیٰ کی صورت میں روئے زمین کے ان تمام لوگوں کے لئے عام کر دیا گیا جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کی راہ اختیار کر کے گویا ابراہیم علیہ السلام ہی کی معنوی ذریت میں شامل ہو گئے ہیں' قطع نظر اس سے کہ ان کا کوئی صُلبی و نسلی تعلق ان سے ہے یا نہیں۔ چنانچہ ایک روایت کی رو

ہے' جسے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے امام احمد بن حنبل اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے اپنی اپنی مُسند میں نقل کیا ہے' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "یارسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟" تو جواباً آپؐ نے ارشاد فرمایا : "یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے!" — گویا بھیڑوں' بکریوں' گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی ہے اطاعت و فرماں برداری اور تسلیم و انقیاد اور اس پر مداومت اور استقامت کی اس روح کے لئے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری و ساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متذکرہ بالا آیات کے متصلاً بعد ہی متنبہ فرمادیا گیا تھا کہ :

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾ (الحج : ۳۷)

"اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت یا خون' ہاں اس تک رسائی ہے تمہارے تقویٰ کی"۔

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کرکے رکھ دیا ہے' جس کا مرثیہ کہا ہے علامہ اقبال نے اس شعر میں کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی!

اسی طرح قربانی کی روح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم و خیال سے بھی غائب ہو چکی ہے۔ اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلامبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے' لیکن وہ روحِ

تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل' وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے!

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتحال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں' اور عید قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزمِ مصمم کر لیں کہ اپنا تن' من' دھن اس کی رضا پر قربان کر دیں گے —— گویا بقول شاعر ؎ "میرا سب کچھ مرے خدا کا ہے" اور بفحوائے الفاظِ قرآنی :

﴿ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ لَا شَرِیۡکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝ ﴾

امیر تنظیم اسلامی محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور اِرتقاء کے مراحل

- حیاتِ ارضی کا اِرتقاء
- تکمیل تخلیق آدم
- عطاءِ خلعت خلافت
- رحم مادر میں تخلیق آدم کے مراحل کا اعادہ

جیسے بہت سے اہم موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ڈارون تھیوری کے باعث ذہنوں میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے تسلی بخش جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ لہٰذا آج ہی اس نادر کتاب کی کاپی محفوظ کرائیے۔

قیمت : 20 روپے ○ عمدہ طباعت ○ صفحات : 60

ملنے کا پتہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی '36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501 فیکس : 5834000